کائنات کی ابتدا کیسے ہوئی ، اس کیفیت کو جاننے کے لیے شب و روز کوشاں ہے اور اب اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ کائنات ایک عظیم دھماکے سے وجود میں آئی، اس سلسلے میں مزید تحقیق کے لیے امریکہ میں ایک منصوبے پر کام ہو رہا ہے جو پچاس کلومیٹر پر محیط ہوگا - اس کی تعمیر پر چالیس کروڑ ڈالر خرچ ہوں گے اور یہاں کائنات کو وجود میں لانے والے عظیم دھماکے کی تحقیق نو کی کوشش کی جائے گی۔ قرآن مجید میں اس دھماکےکی طرف اشارہ موجود ہے :

ان السماوات والارض کانتا رتقا ففتقناھما[1]

بچے کی پیدائش کے متعلق میڈیکل سائنس جس نظریہ پر اب پہنچی ہے قرآن نے اپنے بلیغ اسلوب میں اسے پہلے ہی بیان کر دیا ہے :

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاماً فکسونا العظام لحماً ثم انشأناہ خلقاً آخر[2] ۔

ایٹم کی موجودہ تھیوری نے اس آیت میں ''کل'' کے معنوں کی جو وضاحت اب کی ہے پہلے کسی تفسیر میں نہیں ملتی - اس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے ذرے کے اندر بھی دو مالیکیول منفی اور مثبت موجود ہیں - قرآن مجید نے ''کل'' کے بعد زوج کا لفظ استعمال کیا ہے - غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ یہ اتنی اچھی تعبیر ہے کہ حقیقت کو پوری طرح واضح کر رہی ہے۔ اس تھیوری کی تفصیلات کے بعد ذرا اس آیت کی تلاوت کیجیے تو آپ کو اس کی مکمل تفسیر معلوم ہو جائے گی جو اس سے پہلے ممکن نہ تھی۔ ارشاد ہوتا ہے :

ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون[3]

اس سے یہ معلوم ہوا کہ فہم قرآن کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ دور میں متداول علوم یعنی طبیعیات ، کیمیا ، فلکیات اور ریاضی وغیرہ کا مطالعہ بھی ضروری ہے اور جدید معاشی اور معاشرتی اور سیاسی علوم کا مطالعہ ضروری ہے اس کے بغیر ہم ان ہدایات کو جو قرآن مجید نے دی ہیں، نہیں سمجھ سکتے ۔

۱- القرآن ۲۱ : ۳۰
۲- القرآن : ۲۳ : ۱۴
۳- القرآن : ۵۱ : ۴۹

تنویر جہاں خان*

اکبر کے عہد میں کتب خانے

جلال الدین محمد اکبر ، ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا تیسرا نامور حکمران تھا ۔ اس کے دور حکومت میں (۱۵۵۶ - ۱۶۰۵ء) میں نہ صرف یہ کہ مغلیہ حکومت کو سیاسی استحکام ملا بلکہ وسعت سلطنت بھی ہوئی ۔ اس کے دور میں علم و ادب میں بھی بہت ترقی ہوئی جس سے کتب خانوں کے قیام میں بہت مدد ملی اور بے شمار کتب خانے وجود میں آئے ۔ علمی حیثیت سے اکبر کا عہد کسی بھی مغل بادشاہ کے عہد سے کم نہیں ۔ اکبر بالکل ان پڑھ نہ تھا جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے ۔ جب وہ ۴ سال ، ۴ ماہ ، ۴ دن کا ہوا تو ہمایوں نے اس کی رسم بسم اللہ ادا کی۔ ملا عصام الدین ابراہیم اور مولانا بایزید کے علاوہ اکبر کے اساتذہ میں مولانا پیر محمد خان ، نقیب خان ، مولانا عبدالقادر ، بیرم خان اور مولانا عبداللطیف قزوینی کے نام آتے ہیں ۔ مولانا عبداللطیف قزوینی اکبر کو دیوان حافظ پڑھایا کرتے تھے ۔[1] ہمایوں کی اکبر کی تعلیم کے متعلق اتنی توجہ اور پھر ایسے اساتذہ کی کوششوں کے باوجود یہ کہنا کہ اکبر بالکل ان پڑھ تھا، عقل باور نہیں کرتی ۔ مگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اکبر نے تحصیل علم کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی ۔ ابو الفضل آئین اکبری میں ”آئین آموزش“ کے عنوان کے تحت رقمطراز ہے کہ شہنشاہ کے حکم پر ”حرف آموزی و تعلیم“ کا ایک ایسا طریقہ نکالا گیا جس سے بچے سالوں کی تعلیم چند مہینوں میں حاصل کر لیتے ہیں ۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو شخص ”آئین آموزش“ کے اتنے باریک نکتہ کا حل آسانی سے نکال سکتا ہے وہ بالکل ان پڑھ نہیں ہو سکتا۔ ’تذکرۂ روز روشن‘ میں تو اکبر کا ذکر شعراء کی فہرست میں کیا گیا ہے اور اس میں اس کے کئی اشعار درج ہیں ۔ نیز ’ریاض الشعراء‘ میں بھی اکبر کے چند اشعار منقول ہیں ۔[2]

تحصیل علم میں کوتاہی کے باوجود اکبر کے دل میں علوم و فنون کا کافی شوق تھا اور علم کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس نے کئی طریقے اختیار کیے ۔ ابو الفضل کے بیان کے مطابق فارسی کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جو بادشاہ کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو ۔ اگر کوئی اچھی کتاب ہوتی تو اکبر اس کو

*اسسٹنٹ پروفیسر ، شعبۂ لائبریری سائنس، پنجاب یونیورسٹی

بار بار سننے سے نہ گھبراتا تھا ۔ مندرجہ ذیل کتب تو اس کو اکثر پڑھ کر سنائی جاتی تھیں : اخلاق ناصری ، کیمیائے سعادت ، قابوس نامہ ، مکتوبات شرف منیری ، گلستان ، حدیقہ ، مثنوی معنوی ، جام جم ، بوستان ، شاہنامہ ، خمسہ نظامی ، امیر خسرو اور مولانا جامی کے کلیات ، خاقانی اور انوری کے دیوان ، نیز ہر قوم و ملت کی تاریخیں اس کے سامنے روزانہ پڑھی جاتی تھیں ۔ اکبر شروع سے لے کر آخر تک ہر کتاب کو بغور سنتا ۔ ہر روز جو کہ اس کا معمول تھا جب ایک کتاب کا حصہ سن چکتا تو وہ اس صفحہ پر اپنے قلم سے اس جگہ نشان لگا دیتا اور جتنے صفحات ایک سنانے والا سنا چکتا ان صفحات کی تعداد کے مطابق اس کو نقد سونا یا چاندی انعام میں دی جاتی۔[۳] شاید ہی کوئی مشہور کتاب ایسی ہو جسے اکبر نے نہ سنا ہو ۔ پرانی داستانیں یا عجائبات عالم یا فلسفہ کی کتب میں سے کوئی بھی کتاب ایسی نہ ہوگی جو شاہی لائبریری میں موجود نہ ہو ۔ دیوان حافظ اور مولانا روم کے بہت سے اشعار اس کو یاد تھے ۔[٤]

کتب خانۂ اکبری

اکبر کے علمی ذوق کی وجہ سے جو شاہی کتب خانہ قائم ہوا وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل تھا ۔ وی ۔ اے ۔ سمتھ نے لکھا ہے کہ اتنا عمدہ و بیش بہا کتب خانہ اس سے پیشتر کسی حکمران کے ہاں نہ تھا ۔ اکبر کے کتب خانہ میں دیوان حافظ اور مثنوی مولانا روم کے نادر اور منقش نسخے موجود تھے کیونکہ وہ حافظ شیرازی اور مولانا روم کا دلدادہ تھا ۔ ہمایوں کے کتب خانہ کی سب کتابیں ، کتب خانۂ اکبری کا حصہ تھیں ۔[٥]

اکبر کا شاہی کتب خانہ قلعہ آگرہ میں مثمن برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ ہے وہیں تھا۔ شاہی کتب خانہ میں ۲۴ ہزار کے لگ بھگ کتابیں تھیں جو زیادہ تر شاہی کاتبوں کی لکھی ہوئی تھیں ۔ اکبری کتب خانہ کی کل قیمت ۶۴٬۶۳٬۷۳۱ روپے تھی ۔ اس طرح ایک کتاب کی اوسط قیمت ۲۷۰ روپے بنتی ہے[٦] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور کی ارزانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کتب خانہ شاہی کی کتابیں کافی مہنگی تھیں ۔ اکبر کی علم پروری کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہے کہ اس نے اپنی سلطنت کے تمام امراء اور گورنروں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ علماء اور فضلاء کے ناموں سے اس کو آگاہ کرتے رہا کریں تاکہ ان کو شاہی دربار میں بلایا جا سکے۔[۷] ظاہر ہے مقصد یہ تھا کہ اہل علم ودانش جب دربار میں آئیں گے تو اپنے ہمراہ علم و ادب کے خزانے بھی لائیں گے اور اس کا کچھ حصہ

بطور تحفہ شہنشاہ کے حضور میں بھی پیش کریں گے اور یوں کتب خانہ شاہی میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا ۔

اکبر کا شاہی کتب خانہ کئی حصوں پر مشتمل تھا ۔ اس کا ایک حصہ شاہی محل کے اندر واقع تھا اور کچھ حصے بیرون محل میں ۔ ہر سیکشن یعنی شاخ کو کئی شعبوں میں تقسیم کیا تھا ۔ ہر علم اور ہر کتاب کی اس کی اہمیت کے پیش نظر درجہ بندی (Classification) کی جاتی تھی ۔ مثلاً نظم و نثر کی کتب جو فارسی ، یونانی ، کشمیری ، عربی اور ہندی میں ہوتی تھیں ان کو ترتیب وار علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا تھا اور اسی ترتیب سے شہنشاہ اکبر کے حضور ملاحظہ کے لیے پیش کی جاتی تھیں ۔ ہر روز علماء و فضلاء اعلیٰ قسم کی کتب بادشاہ کے حضور پیش کرتے اور کتابوں کی نوعیت کے متعلق جہاں پناہ کو عرض کرتے ۔[۸] یہ عجیب بات ہے کہ ابو الفضل نے آئین اکبری میں مذکورہ بالا جن کتابوں کا ذکر کیا ہے کہ بادشاہ ان کو اکثر سنا کرتا تھا ، ان میں سے کوئی کتاب بھی ترکی میں نہیں ہے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو اکبر کو ترکی زبان سے کوئی لگاؤ نہ تھا یا مغلیہ دربار میں ترکی کا اثر و رسوخ تقریباً مفقود ہو گیا تھا یا یہ کہ عہد اکبری میں ترکی کے فضلاء اتنے معیاری نہ تھے کہ وہ ترکی زبان کی پیچیدگیوں کو سمجھتے ہوئے اس میں لکھی گئی کتب کا مفہوم آسانی سے بادشاہ کو بتا سکتے ۔ ابو الفضل نے بھی اپنی تصانیف میں کسی ترکی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ، جبکہ یہ بات جہانگیر ، شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے ادوار میں نہ تھی ۔ ان تینوں بادشاہوں کو ترکی زبان پر عبور حاصل تھا ۔

اہل قلم جو کتابیں تالیف کرتے ان کا ایک نسخہ خزانۂ عامرہ میں ضرور بھیجتے ۔ اکبر کے درباری مصنفین کی تصنیفات و تالیفات و تراجم اس کثرت سے تھے کہ ان کے کئی کئی نسخے شاہی کتب خانے میں موجود تھے ۔ ان کے علاوہ اکبر کو مفتوحہ علاقوں سے جو کتب ملتیں ان میں سے اکثر کو وہ شاہی کتب خانہ کے لیے مخصوص کر لیتا ۔ گجرات کی فتح کے بعد اعتماد خان گجراتی کی لائبریری اکبر کے ہاتھ لگی جس میں کئی نفیس اور نادر کتب تھیں ۔ ان میں بعض تو شاہی کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں اور بعض شہنشاہ کے حکم پر علماء و مشائخ میں تقسیم کر دی گئیں ۔[۹] اسی تقسیم میں سے ملا عبدالقادر بدایونی کو انوار المشکواۃ کا ایک نسخہ دیا گیا ۔[۱۰] اکبر نے جب احمد نگر کا قلعہ ۱۶۰۰ء میں فتح کیا تو نظام شاہی حکومت کی ایک بہت بڑی لائبریری اس کے ہاتھ لگی جس

کو شاہی کتب خانہ کا حصہ بنا دیا گیا ۔ اکبر کو کتابیں اکٹھی کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا ۔ وہ کسی امیر کی وفات پر اس کا کتب خانہ اس کے وارثوں سے خرید کر شاہی کتب خانہ میں شامل کر دیتا ۔ فیضی کی وفات پر اس کی کتابیں کتب خانۂ شاہی میں داخل کر دی گئیں ۔ ان کتب کی تعداد ۴۶۰۰ تھی ۔[۱۱]

شاہی کتب خانہ کی تنظیم

مہتمم کتب خانہ

کسی بڑے ماہر علم ہی کو شاہی کتب خانہ کا انچارج بنایا جاتا تھا جسے مہتمم کتب خانہ، ناظم کتب خانہ یا کتاب دار کہا جاتا تھا ، جسے آجکل کے دور میں چیف لائبریرین کہا جاتا ہے ۔ اکبر کے پچاس سالہ دور حکومت میں کئی اہل قلم و ماہرین فن کتب خانۂ شاہی کے مہتمم رہے ۔ اس کے دور حکومت کے ابتدائی سالوں میں کتب خانۂ شاہی کا مہتمم ملا پیر محمد تھا ۔ لیکن زیادہ عرصہ تک فیضی ہی اس کا نگران اعلیٰ رہا ۔ عنایت اللہ شیرازی بھی کتب خانہ کا کتاب دار تھا ۔ وہ اعلیٰ پایہ کا خوش نویس تھا ۔ اس کی خوش نویسی کی وجہ سے اکبر نے اسے مکتوب خان کا خطاب دیا تھا ۔ ملا بلال بھی کچھ عرصہ شاہی کتب خانہ کے مہتمم رہے ۔ ۱۵۹۱ء میں ایک بار شاہی کتب خانہ سے ایک کتاب ''نامۂ خرد افزا'' گم ہوگئی ۔ شہزادی سلیمہ سلطان بیگم نے ملا عبدالقادر بدایونی کو اس کی گمشدگی کا ذمہ دار ٹھہرایا جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ملا بدایونی بھی شاہی کتب خانہ کے چیف لائبریرین کے فرائض سرانجام دیتے رہے ۔ مہتمم کتب خانہ کے تحت کئی نائب مہتمم ہوتے تھے ۔[۱۲]

شعبۂ کتابت ، خطاطی اور خوش نویسی

اس دور میں جبکہ پرنٹنگ پریس ہندوستان میں رائج نہ تھا ، کسی بھی لائبریری کے لیے شعبۂ کتابت ، خطاطی اور خوش نویسی کی بہت اہمیت تھی اور لائبریری کا یہ اہم جزو سمجھا جاتا تھا ۔ اکبر کے کتب خانہ میں بھی عمدہ خطاطوں ، کاتبوں اور خوشی نویسوں کی کافی تعداد تھی جو مسودوں کی نقول تیار کرنے میں مشغول رہتے تھے ۔ عہد اکبری میں مندرجہ ذیل خطاطی کے نمونے مروج تھے : نستعلیق، ثلث، توقیع ، محقق، نسخ، ریحان ، رقاع ، غبار اور تعلیق ۔[۱۳]

اب اکبر کے عہد کے مشہور کاتبوں ، خطاطوں اور خوش نویسوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں بعض تو شاہی دربار سے منسلک تھے اور بعض امراء اور علم پرور اصحاب کی زیر سرپرستی اپنے فن کی خدمت کر رہے تھے ۔ مولانا دوری عہد اکبری کے بہترین خوش نویسوں میں سے تھے ۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں خط نستعلیق میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا ۔ اسی لیے اکبر نے اسے کاتب الملک کا خطاب دیا ۔[۱۴] میر معصوم قندھاری ایک اعلیٰ پایہ کے خطاط تھے ۔ فتح پور سیکری کی عمارات پر اکثر ان کے کتبے ہیں ۔[۱۵]

اکبر کا میر منشی اشرف خان خط تعلیق کے لکھنے میں ماہر تھا ۔[۱۶] مولانا عبدالحی، منشی ابو سعید مرزا ، مولانا ابراہیم استر آبادی اور منشی محمد جمال الدین قزوینی بھی خط تعلیق کے ماہرین میں سے تھے جو مغلیہ دربار سے منسلک تھے ۔ ملا محمد حسین کشمیری نستعلیق کے ماہر تھے۔ اکبر نے اس کو زرین رقم کا خطاب عطا کیا ، جبکہ ابو الفضل نے اس کو جادو رقم لکھا ہے ۔ خط نستعلیق کے دیگر اساتذہ میں مولانا میر علی ہروی اور اس کا بیٹا مولانا باقر ، مولانا جعفر تبریزی ، مولانا اظہر ، مولانا سلطان علی مشہدی ، میر حسین کلنگی ، مولانا عبدالرحیم اور میر عبداللہ نظام کے نام آتے ہیں ۔ حسین بن احمد چشتی عربی کے خطاط تھے۔ انھوں نے بے شمار کتابیں عربی نسخ میں لکھیں ۔ فتح پور سیکری کے بلند دروازوں کے پیش طاق کی محراب کے اوپر ابھرے ہوئے حروف میں جو عربی کتبہ ہے وہ انھی کے کمال کا نمونہ ہے ۔[۱۷]

شعبۂ تصویر کشی

شعبۂ تصویر کشی شاہی کتب خانہ کا ایک حصہ تھا ۔ اکبر اس شعبہ کا خاص خیال رکھتا کیونکہ اسے کتابیں مصور کروانے کا بہت شوق تھا ۔ وہ کتابوں میں تصویریں اور شبیہیں بنواتا ، مرقعے تیار کرواتا اور کتابوں کی لوح و جدول مطلا کرواتا تھا ۔[۱۸] اس شعبہ میں ایک سو گیارہ نامور مصور ملازم تھے ۔

ملا عبدالصمد شیرین قلم اور میر علی سید مغل مکتبۂ تصویر کشی کے بانی مانے جاتے ہیں، دونوں ایرانی تصویر کشی کے ماہر تھے۔ انھوں نے ہندوستان آ کر ایک نئے فن کی ابتدا کی جسے مغل مکتبہ تصویر کشی کہا جاتا ہے ۔ اکبر کی فرمائش پر قصۂ امیر حمزہ کی بارہ جلدیں مصور کی گئیں اور اس میں ۱۴۰۰ تصویریں بنائی گئیں ۔[۱۹] یہ کام میر علی سید کی زیر نگرانی مکمل ہوا ۔ مقامات حریری کی بھی ۳۹ منقش تصاویر بنائی گئیں ۔ ان کے علاوہ اکبر کے حکم پر بابر نامہ ،

ظفر نامہ ، چنگیز نامہ شرف الدین یزدی کا ظفر نامہ ، رامائن، نل دمن،کلیلہ و دمنہ، بہارستان ، خمسہٗ نظامی ، عیار دانش ، دربار نامہ ، اکبر نامہ اور بہت سی دیگر کتابوں کو مرصع کیا گیا ۔ مہابھارت کا فارسی ترجمہ رزم نامہ کے نام سے ہوا جس میں تمام معرکوں کی تصاویر بنوائی گئیں [۲۰] جن کی تزئین اور تصویر کشی پر دس ہزار روپے خرچ آئے یہ کام پانچ برس میں مکمل ہوا ۔[۲۱]

ہمایوں نے ملا عبدالصمد کو شہزادہ اکبر کو خطاطی اور تصویر کشی سکھانے پر مامور کیا تھا ۔ اکبر خطاطی اور مصوری میں کسی حد تک کامیاب ہوا ۔ ابو الفضل اس بارہ میں کچھ نہیں کہتا ۔ البتہ عبدالصمد نے ان دونوں فنون میں بڑا نام پایا ۔ اکبر نے ملا عبدالصمد کو شاہی مدرسہٗ تصویر کشی کا پرنسپل مقرر کیا ۔ اس نے قرآن حکیم کی سورۂ اخلاص کو ایک دانہٗ خشخاش پر لکھ کر اپنے فن کا لوہا منوایا ۔ عبدالصمد کا بیٹا شریف بھی اعلیٰ پایہ کا خطاط اور مصور تھا ۔ اس نے چاول کے ایک دانہ پر ایک مسلح گھوڑ سوار کی تصویر بنائی جس کے سامنے ایک آدمی کھڑا ہے جس کے پاس تلوار ، ڈھال اور چوگان ہیں ۔[۲۲] فرخ بیگ اور آغاز رضا ہراتی بھی دربار اکبری کے بہترین مصوروں میں شمار ہوتے ہیں ۔ اکبر نے ایک بار فرخ بیگ مصور کو اس کے شاہکار پر دو ہزار روپے انعام میں دیے ۔[۲۳] ''تاریخ خاندان تیموریہ'' کو ساٹھ مصوروں نے ایک سو بارہ تصاویر سے مزین کیا ۔

آرٹ گیلری

مصوری کے نمونے بھی شاہی کتب خانے کا ایک حصہ تھے ۔ ابو الفضل نے لکھا ہے کہ اکبر کے عہد میں مصوروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۔ اکبر کو پینٹنگ کا بڑا شوق تھا ۔ اس لیے اس نے ایک پینٹنگ گیلری بنوائی ۔ داروغہٗ خاص ہر ہفتہ کے روز مصور کو اس کے شاہکار کے ہمراہ شہنشاہ کے حضور پیش کرتا اور مصور انعام و اکرام سے نوازا جاتا ۔ دربار اکبری کے مشہور مصور مندرجہ ذیل تھے : سید علی تبریزی ، خواجہ عبدالصمد فرخ بیگ ، دسونت ، بساون ، کیسو ، لال ، مکند ، مشکین ، فرخ قلماق ، مادھو ، جگن ، مہیش ، کھیم کرن ، تارا ، سالولہ ، برہنس اور رام ۔[۲۴] ابو الفضل کے ان مہیا کردہ ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوائے چند کے باقی تمام مصور اور نقاش ہندو تھے ۔ اس کی غالب وجہ شاید یہ ہو کہ اسلام میں چونکہ انسان کی تصویر بنانے کی

اجازت نہیں اس لیے مسلمانوں نے اس فن میں زیادہ توجہ نہ کی مگر اس کے باوجود مغلیہ عہد کے مصوری کے نمونوں کو بہزاد ایرانی کے معیار پر پرکھا جاتا تھا۔ شاہی مصوروں نے عہد اکبری کے شہزادوں اور امراء کی تصاویر بنا کر کتب خانہ شاہی کی زینت کو دوبالا کیا۔

شعبہ جلد سازی

کتب خانہ شاہی کا ایک شعبہ جلد سازی کا بھی تھا جس میں جلد بندی مختلف طریقوں سے کی جاتی تھی۔ کپڑے کے علاوہ جلد سازی میں مختلف قسم کے چمڑے بھی استعمال میں لائے جاتے تھے۔ کتاب کو دیدہ زیب بنانے کے لیے سونے کی تاروں سے سلائی کی جاتی تھی۔ کتابوں کی حاشیہ آرائی اور زیبائش کا کام بڑے اہتمام سے ہوتا تھا۔ کتابوں کی اہمیت کے پیش نظر بعض اوقات ان کی حاشیہ آرائی خالص سونے سے کی جاتی تھی۔ جلد سازی ایک فن کا درجہ رکھتی تھی اور اس شعبہ میں اعلیٰ قسم کے ماہرین کام کرتے تھے۔

دارالترجمہ

اکبر نے ایک دارالترجمہ قائم کیا جو شاہی کتب خانہ کا ایک اہم جزو تھا جس میں سینکڑوں مترجم دن رات کام کرتے تھے۔ اس دارالترجمہ میں عربی، ہندی اور سنسکرت میں لکھی گئی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہوتا تھا۔ ترجمہ ہونے کے بعد کتاب بادشاہ کے حضور پیش کی جاتی جس کو وہ سنتا تھا اور مترجم کو انعام شاہی سے نوازتا تھا۔ بعض اوقات وہ کتاب پر اپنی مہر ثبت کر دیتا تھا اور یوں وہ کتاب شاہی کتب خانہ میں پہنچ جاتی تھی۔ ذیل میں ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے جو عہد اکبری میں مختلف زبانوں سے فارسی میں ترجمہ ہوئیں:

جامع رشیدی : عربی کی اس ضخیم کتاب کا فارسی ترجمہ ملا عبدالقادر بدایونی نے کیا۔

معجم البلدان : شہاب الدین عبداللہ یاقوت بغدادی (م ۱۲۲۸ء) کی اس کتاب کا ترجمہ ملا احمد ٹھٹھوی، قاسم بیگ، شیخ منور اور دیگر علماء نے کیا۔

تاریخ الحکماء : شہ زوری نے یہ کتاب عربی میں لکھی جس کا فارسی ترجمہ مقصود علی تبریزی نے کیا ۔ اس کا فارسی نام نزہۃ الارواح و نزہۃ الافراح رکھا گیا ۔

حیواۃ الحیوان : اس کا فارسی ترجمہ شیخ مبارک ناگوری نے کیا ۔

تزک بابری : اس کا فارسی ترجمہ عبدالرحیم خان خاناں نے کیا ۔

انجیل : اس کا ترجمہ ابو الفضل نے ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء میں کیا ۔

لیلاوتی : یہ سنسکرت میں ریاضی کی کتاب تھی جس کا ترجمہ فیضی نے کیا ۔

ہربنسی : کرشن جی کے حالات زندگی پر ہے ۔ اس کا فارسی ترجمہ مولانا شیری نے کیا ۔

راج ترنگنی : تاریخ کشمیر پر سنسکرت میں لکھی ہوئی کاہن کی اس کتاب کو شاہ محمد شاہ آبادی نے فارسی میں ترجمہ کیا ۔ اس کتاب کا انتخاب عبدالقادر بدایونی نے سلیس فارسی میں کیا ۔

بحر الاسماء : یہ ہندی افسانہ کی کتاب تھی ۔ سلطان زین العابدین نے اس کا کچھ حصہ ترجمہ کروایا تھا ۔ ابو الفضل کی فرمائش پر ملا عبدالقادر نے اس کتاب کا مکمل ترجمہ پانچ ماہ میں مکمل کیا جو ساٹھ جز میں تھا ۔ اکبر نے خوش ہو کر ملا صاحب کو دس ہزار ٹنکے اور ایک گھوڑا انعام میں دیا ۔

سنگھاسن بتیسی : ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ - ۷۵ء میں ملا عبدالقادر بدایونی نے سنسکرت کی مشہور کتاب سنہاسند و ترنیتی کا ترجمہ فارسی میں کیا ۔ اس کتاب میں ہندوؤں کے نامور راجہ بکرماجیت (مالوہ) کے متعلق بتیس قصے ہیں جو طوطی نامہ کے طرز پر لکھی گئی ہے ۔ فارسی ترجمہ کا نام خرد افزا رکھا گیا ۔

اتھربن : یہ سنسکرت میں لکھی ہوئی ہندوؤں کی مذہبی کتاب ہے جس کا ترجمہ ملا عبدالقادر بدایونی ، شیخ فیضی ، نو مسلم برہمن بھاون اور شیخ ابراہیم سرہندی کے تعاون سے ہوا ۔

مہا بھارت : سنسکرت میں لکھی ہوئی ہندوؤں کی اس مذہبی کتاب کا ترجمہ کئی فارسی دان علماء کے تعاون سے ہوا جن کے نام یہ ہیں : نقیب خان ، ملا عبدالقادر بدایونی ، ملا شیری ، سلطان حاجی تھانیسری اور شیخ فیضی ۔ ابو الفضل نے اس کا دیباچہ لکھا اور اس کا فارسی نام رزم نامہ رکھا گیا ۔

تاجک : یہ کتاب علم نجوم پر ہے ۔ مکمل خان گجراتی نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ۔

رامائن : ملا عبدالقادر نے ہندو مذہب کی اس مشہور کتاب کا ترجمہ چار سال میں ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء میں مکمل کیا ۔ ترجمہ ۱۲۰ جز پر مشتمل تھا ۔

کلیلہ و دمنہ : سنسکرت کی اس کتاب کا پہلے ترجمہ ملا حسین نے کیا ۔ ترجمہ چونکہ مشکل الفاظ میں کیا گیا تھا جس سے اس کے سمجھنے میں دقت پیش آتی تھی ۔ چنانچہ اکبر کے حکم پر ابو الفضل نے اس کا آسان ترجمہ کیا اور اس کا فارسی نام عیار دانش رکھا گیا ۔ کتاب کے اختتام پر ابو الفضل نے ایک خاتمہ بھی لکھا ۔

نل دمن : عشق و محبت کے اس قصہ کو سنسکرت سے فارسی میں فیضی نے خسرو کی لیلی و مجنوں کی بحر میں ۱۵۹۶ء میں نظم کیا ۔ اس میں ۴۲۰۰ اشعار ہیں ۔ فیضی نے یہ عظیم کارنامہ صرف پانچ ماہ میں سرانجام دیا ۔[۲۵]

اکبر کے دور میں جہاں سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں ہوا وہاں فارسی اور عربی کتابوں کے تراجم سنسکرت زبان میں بھی ہوئے ۔ مشہور زمانہ کتاب زیچ مرزائی کا ترجمہ سنسکرت زبان میں کیا گیا ۔ اس کا سنسکرت میں ترجمہ میر فتح اللہ شیرازی ، ابو الفضل ، کشن جوتشی ، گنگا دھر اور مہیش مہانند کی اجتماعی کوششوں سے ہوا ۔[۲۶]

اکبر نے ۱۵۹۰ء میں چند علماء کو حکم دیا کہ وہ پادری فرمی لن (Firmillun) سے یورپی زبانیں خاص طور پر یونانی زبان سیکھیں تاکہ ان زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر سکیں ۔ حکم شاہی کی تعمیل میں کچھ کتابیں فارسی میں ترجمہ ہوئی ہوں گی مگر ان کتابوں کا تذکرہ نہیں ملتا ۔ اکبر کو چونکہ یورپ کے حکمرانوں سے خط و کتابت کرنی پڑتی تھی ۔ اس لیے

خان خاناں کو خاص طور پر حکم ہوا کہ وہ یورپین زبانیں (غالباً پرتگالی اور انگریزی) سیکھے ۔ حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خان خاناں نے کئی زبانوں پر عبور حاصل کیا تاہم مآثرالامراء کا مصنف لکھتا ہے کہ خان خاناں کو عربی ، فارسی ، ترکی اور ہندی کے علاوہ دنیا کی دیگر زبانوں سے بھی واقفیت حاصل تھی ۔[٢٧]

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ بے شمار دیگر کتابیں فارسی میں ترجمہ ہوئیں ۔ اکبر کے علاوہ امراء اور وزراء کی سرپرستی میں بھی کافی کتب کا فارسی میں ترجمہ ہوا جو ان کے ذاتی کتب خانوں میں جمع ہوئیں ۔

عہد اکبری میں تصانیف

اکبر کے عہد میں تصنیف و تالیف کا بہت کام ہوا ۔ اکبر کی علم دوستی کی بنا پر اور انعام حاصل کرنے کی آرزو میں اکثر مصنف اپنی تصانیف بادشاہ کے حضور پیش کرتے جو اُن کی حوصلہ افزائی اور علم پروری کی خاطر خزانۂ عامرہ سے کچھ عطا کرتا اور کتابیں شاہی کتب خانہ میں داخل ہوتیں ۔ اسی طرح شاہی کتب خانہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ۔ ذیل میں چند مشہور مصنفین اور ان کی کتابوں کے نام درج کیے گئے ہیں جو عہد اکبری میں کتب خانہ کی زینت بنیں ۔

ابو الفضل اکبر کا نو رتن ، مشیر خاص اور اس عہد کا مشہور مؤرخ ہے ۔ اس نے حکم شاہی کو بجا لاتے ہوئے اکبر نامہ دو جلدوں میں لکھا ۔ آئین اکبری کو اس کی تیسری جلد کہنا چاہیے ۔ اس کے علاوہ انشاء ابو الفضل ، کشکول اور جامع اللغات لکھیں ۔ ابو الفضل کے والد شیخ مبارک ناگوری نے قرآن پاک کی تفسیر چار جلدوں میں لکھی ۔ نیز اس نے ۵۰۰ کتابیں بھی نقل کیں ۔[٢٨]

ابو الفضل کا بڑا بھائی فیضی جو اکبر کے دربار کا ملک الشعراء تھا بہت عالم و فاضل شخص تھا ۔ اس کی شاعری پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے ۔ لیکن نفس مضمون اس کی تفصیل میں جانے کی اجازت نہیں دیتا ۔ تاہم قارئین کی اطلاع کے لیے عرض خدمت ہے کہ اہل ایران نے ہندوستان کے فارسی کے جن دو شاعروں کو تسلیم کیا ہے اُن میں ایک فیضی ہے اور دوسرے امیر خسرو دہلوی ہیں ۔ فیضی نے مختلف زبانوں میں ایک سو سے زائد کتابیں لکھیں ۔ اس کی چند ایک مشہور تصانیف یہ ہیں :

نظامی گنجوی کے خمسہ کی زمین میں پانچ مثنویاں ، خسرو شیریں کے مقابل میں سلیمان بلقیس اور لیلیٰ و مجنوں کی طرز پر نل دمن، لکھی ۔ ان دونوں میں علیحدہ علیحدہ چار ہزار اشعار تھے ۔ ہفت پیکر کے وزن پر ہفت کشور اور سکندر نامہ کے جواب میں اکبر نامہ لکھی جو پانچ ہزار اشعار پر مشتمل تھیں ۔ مخزن اسرار کے مقابلہ میں مرکز ادوار لکھی ۔ فیضی نے کلام قرآن حکیم کی ایک بے نقط تفسیر سواطع الالہام لکھی جس کے صلہ میں اکبر نے اُسے دس ہزار روپے انعام میں دیے ۔ اس تفسیر کو ہندوستان سے باہر کے ممالک میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی ، مگر ہندوستان کے بعض علماء نے اس تفسیر پر بے نقط ہونے کی وجہ سے اعتراضات کیے ۔ فیضی نے اپنے معترضین کو یہ کہہ کر خاموش کروا دیا کہ کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ جسے پڑھ کر ایک غیر مسلمان ، مسلمان ہو جاتا ہے اس میں کوئی نقطہ نہیں ہے ۔[۲۹] اس کے علاوہ اس نے اخلاقیات پر بھی ایک بے نقط کتاب 'موارد الکلام' لکھی ۔ اس نے پنج گنج بھی تالیف کی ۔

مولانا سید صبغت اللہ بروجی شطاری (م - ۱۶۰۷) نے شیخ محمد غوث گوالیاری کی کتاب جواہر خمسہ کا عربی میں ترجمہ کیا ۔ شیخ وجیہ الدین احمدآبادی (م - ۱۵۹۰) ایک جید عالم تھے ۔ بدایونی کے بقول شاید ہی کوئی درسی کتاب ہو جس کی انھوں نے شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو ۔

تاریخ الفی جو اسلامی عہد کے ابتدا سے شروع ہو کر اکبر کے عہد تک کے زمانہ کی تاریخ ہے کو مندرجہ ذیل اہل علم نے مکمل کیا : نقیب خان ، شاہ فتح اللہ ، حکیم ہمام، حکیم علی ، حاجی ابراہیم سرہندی ، نظام الدین احمد بخشی ، ملا عبدالقادر بدایونی ، مولانا احمد ٹھٹھوی ، جعفر بیگ اور آصف خان ۔ یہ کتاب اتنی ضخیم تھی کہ اس کی تکمیل چار جلدوں میں ہوئی ۔

میر یحییٰ نے لب التواریخ لکھی ۔ اس کے بیٹے میر علاءالدولہ کافی قزوینی نے ۱۵۹۹ء میں نفائس المآثر لکھی ۔ ابو الفضل اور عبدالقادر بدایونی نے اپنی تواریخ میں نفائس المآثر سے بہت استفادہ کیا ہے ۔ اسد بیگ قزوینی نے واقعات اسد بیگ لکھی ، جو حالات اسد بیگ اور احوال اسد بیگ کے نام سے بھی مشہور ہوئی ۔ تقی الدین شمشیر نے اکبر کے حکم پر فردوسی کے شاہنامہ کو نظم سے نثر میں منتقل کیا ۔

نظام الدین احمد بخشی نے طبقات اکبری لکھی ۔ ہمایوں کے دور پر جوہر آفتابچی نے تذکرۃ الوقعات، بایزید بیات نے تاریخ ہمایوں اور اکبر کی پھوپھی حمیدہ بانو گلبدن بیگم نے ہمایوں نامہ لکھا ۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ ،

نجات‌الرشید اور کتاب الاحادیث لکھیں ۔ ان کے علاوہ بدایونی نے قرآن پاک کا ایک نسخہ خط نسخ میں لکھا جس کے سیپاروں کے نام زرین حروف میں لکھے ۔ اس نسخہ کی حاشیہ آرائی بھی سنہری کی گئی تھی ۔ حکیم ابو الفتح گیلانی نے فتاحی اور قیاسیہ لکھیں ۔ میرزا فتح اللہ شیرازی بہت پایہ کے عالم تھے ۔ انہوں نے یہ کتابیں لکھیں : تفسیر منہاج الصادقین فی الزام المخالفین ، خلاصۃ المنہج ، اقبال نامہ' اکبری ، حالات کشمیر اور زیچ جدید ۔ نیز تاریخ الفی کی تدوین میں بھی مدد کی ۔[۳۱]

مولانا عبداللہ سلطانپوری نے عصمۃ انبیاء ، شرح شمائل النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور شرح ملا لکھیں ۔ آپ کی علمیت کی قدر کرتے ہوئے شیر شاہ سوری نے ان کو صدرالاسلام کا خطاب عطا کیا ۔ شیخ عبدالنبی کی ایک تالیف وظائف النبی ہے ۔ اس کے علاوہ شیخ صاحب نے سماع کے انکار میں بھی ایک رسالہ لکھا ۔ امام قفال مروزی شافعی نے امام ابو حنیفہ کے خلاف جو طنز کیا اس کے رد میں بھی انہوں نے ایک رسالہ قلمبند کیا ۔[۳۲]

اکبر علماء ، فضلاء اور مشائخ کا بہت قدردان تھا ۔ ان کی حوصلہ افزائی کی خاطر ان کو مدد معاش کی صورت میں جاگیریں اور وظائف دیتا تھا ، تاکہ وہ مالی پریشانیوں سے بے نیاز ہو کر تصنیف و تالیف کے کاموں میں لگے رہیں اور یوں کتب خانوں کی ضخامت میں اضافہ ہوتا رہا جیسا کہ پہلے بھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ۔ مغلیہ دربار سے وظیفہ پانے کے لیے اکثر اہل قلم شاہی کتب خانہ میں اپنی تصنیفات داخل کرواتے رہے ۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ کی جلد سوئم میں اکبری عہد کے ۲۲۵ جید علماء اور شعراء کا تذکرہ کیا ہے ۔ ابو الفضل نے آئین میں ۵۷ اور خواجہ نظام الدین احمد بخشی نے ۸۱ ایسے شعراء کا ذکر کیا جو دربار اکبری سے وابستہ تھے ۔ طبقات اکبری میں مذکور چند اہل قلم و فضلاء کے نام یہ ہیں : امیر تقی شریفی ، ملا سید سمرقندی ، ملا علاءالدین ہندی ، ملا صادق ، میرزا مفلس اور حافظ تاشقندی ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اکبر ، جہانگیر اور شاہ جہان کے ادوار کے ایک مشہور عالم اور مصنف تھے ۔ ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ ہے ۔ ان کی وفات ۱۶۴۲ء یعنی شاہ جہان کے دور میں ہوئی ۔

شعراء

دربار اکبری میں شعراء کی اچھی خاصی تعداد تھی جو اپنا کلام مختلف صورتوں یعنی غزلیات ، مثنویات ، قصائد ، خمسے اور دیوان لکھ کر بادشاہ کو

پیش کرتے تھے اور یہ سب تخلیقات کتب خانۂ شاہی میں بھیج دی جاتی تھیں - تمام شعراء کے نام اور ان کی تصنیفات طوالت کے خوف سے یہاں نہیں دی جا سکتیں - چند ایک شعراء اور ان کی تصنیفات کا ذکر کیا جاتا ہے : بیرم خاں اور اس کا بیٹا عبدالرحیم خان خاناں دونوں شاعر تھے - غزالی کو دربار اکبری کا سب سے پہلا ملک الشعراء بننے کا فخر حاصل ہے - اس نے کئی دیوان اور کئی مثنویاں لکھیں مثلاً مشہد انوار ، مرآۃ الصفات ، نقش بدیع ، اور قدرت اثار - غزالی مشہدی کے بعد فیضی ملک الشعراء ہوا - بقول ابوالفضل فیضی نے پچاس ہزار اشعار کہے -

آئین اکبری میں ابوالفضل نے دربار اکبری کے شعراء کی ایک لمبی فہرست دی ہے جس میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں : حکیم ثنائی ، حکیم رکنا - غزالی ، نظیری نیشاپوری ، قاسم کاہی ، خواجہ حسن، حیاتی گیلانی ، وقائی لاہوری ، شیکبی اصفہانی ، انیسی، ملا صوفی ماژندانی، جدائی ، وفائی ، سیلانی - مقیم ، محمود ، غیرتی شیرازی ، سنجر کاشی ، فسونی شیرازی ، بابا طالب اصفہانی ، غیوری حصاری ، کامی سبزواری ، ان کے علاوہ مندرجہ ذیل شعراء کے نام بھی دیگر کتب میں ملتے ہیں : میلی ہروی ، ملا نورالدین ، محمد ترخان نوری ، توسنی ، تشبیہی ، ثانی خان ، جدائی ، میر دوری ، سیدی ، سرمدی ، روغنی ، زین خان کوکہ ، حلیمی اور فیروزہ کابلی - بقول بدایونی ملا شیری ایک ایسے شاعر تھے جو ایک رات میں تیس تیس غزل کہنے کا دعویٰ کرتے تھے - طبقات اکبری میں ذکر ہے کہ انھوں نے آفتاب پر ایک مثنوی ''شمع جہاں افروز'' کے نام سے لکھی جس میں ایک ہزار اشعار تھے -[۳۳]

نامی نے دیوان کے علاوہ خمسہ کی طرز پر معدن الافکار ، حسن ناز ، پری صورت وغیرہ مثنویاں لکھیں اور طویل قصیدہ لکھا - غزنوی نے فارسی اور ترکی میں دیوان چھوڑا - اشکی نے ریاض الشعراء تالیف کی - حیدری تبریزی کے دیوان میں چودہ ہزار اشعار تھے - اس نے ایک مثنوی لسان الغیب بھی لکھی - قاسمی ایک نامور ایرانی شاعر تھا - اکبر نے اس کو ہندوستان آنے کی دعوت دی مگر اس نے اپنی مثنویات ، شاہ نامۂ ماضی ، خسرو شیرین اور لیلیٰ و مجنون دربار اکبری میں بھیج دیں جن کو شاہی کتب میں داخل کیا گیا - اکبر نے شاعر کو بہت سا انعام و اکرام دے کر ایران بھیجا -[۳۴]

اکبر کی ہندو نوازی تو مشہور ہے چنانچہ اس کو ہندوؤں کے علوم و فنون سے بھی کافی رغبت تھی - کہا جاتا ہے کہ ہندی میں شاعری بھی کرتا تھا -

اور رائے تخلص رکھتا تھا ۔ ہندو فضلاء اور شعراء کی ایک اچھی خاصی تعداد اس کے دربار سے وابستہ تھی ۔ ابو الفضل نے جن ہندو فضلاء کے نام گنوائے ہیں ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں : مادھو سرستی ، مدھو سوون ، نارائن آسرم ، دامودر پرت ، پرم اندر ، آدت ، مادھوبھٹ ، بشن ناتھ ، باسدیو مصر ، گوری ناتھ ، مہادیو اور بھیم ناتھ ۔[۳۵]

درس گاہی کتب خانے

ابو الفضل کے بیان کے مطابق اکبر نے تعلیم عام کرنے کے لیے سارے ملک میں جگہ جگہ مکتب اور مدارس قائم کیے ۔ وہ مدارس جو اعلیٰ تعلیمی مرکز سمجھے جاتے تھے ، ان میں اخلاقیات ، حساب ، زراعت ، سیاق ، خلافت ، مساحت ، ہندسہ ، نجوم ، رمل ، تدبیر منزل ، سیاسیات ، طب ، منطق ، ریاضی ، تاریخ ، بیا کرن ، بیدانت ، معاشیات ، اصول نظم و نسق ، طبیعیات ، ویدانت اور فلسفہ کے مضامین پڑھائے جاتے تھے ۔ ان مدارس کے کتب خانے ان مضامین کی کتابوں سے بھرے رہتے تھے کیونکہ ملکی رواج کے مطابق طلباء کو کتابیں مفت مہیا کی جاتی تھیں ۔ ایسے کتب خانوں کو درس گاہی کتب خانے کہا جاتا تھا ۔[۳۶]

اکبر نے ایک بہت بڑا مدرسہ فتح پور سیکری کی پہاڑی پر تعمیر کروایا جس کی سیاحوں اور ملکی معاصرین نے بہت تعریف کی ہے ۔ اکبر نے اجمیر سے واپسی پر جب فتح پور سیکری کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو وہاں پر بہت سی عمارات بنوائیں جن میں یہ مدرسہ بھی تھا ۔ اس شاہی مدرسہ کے علاوہ اور بھی کئی مدرسے اسی شہر میں قائم کیے ۔ آگرہ میں بھی کئی مدارس قائم ہوئے جس کے ایک بڑے مدرسہ میں شیراز سے آئے ہوئے اساتذہ پڑھاتے تھے ۔ شیرازی اساتذہ میں سے چلپی بیگ کا نام اکثر کتابوں میں آتا ہے ۔ دہلی میں ویسے تو کئی مدرسے تھے اور ان کے ساتھ کتب خانے بھی منسلک تھے مگر طلباء کے رہنے کے لیے سب مدرسوں کے ساتھ ہوسٹل نہیں تھے ۔[۳۷]

شاہی مدارس کے علاوہ صاحب ثروت اور علم پرور اصحاب نے بھی عوام کے لیے مدرسے اور درس گاہی کتب خانے قائم کیے ۔ اکبر کی دایہ ماہم آنگہ نے دہلی میں ۱۵۶۱ء میں ایک شاندار مدرسہ تعمیر کروایا جو خیرالمنازل کے نام سے مشہور ہوا ۔ اس کا کتب خانہ بھی اعلیٰ پایہ کا تھا ۔ دہلی ہی کے ایک مدرسہ خواجہ معین نے بہت شہرت پائی ۔ اس مدرسہ میں مرزا مفلسی سمرقندی نے

۱۵۷۱ سے ۱۵۷۳ء تک بطور مدرس کام کیا۔ جونپور، سیالکوٹ، احمد آباد اور دیگر مقامات پر علوم اسلامی کی بڑی بڑی درسگاہیں تھیں ۔ مدرسہ احمد آباد (گجرات) اکبری عہد کے مشہور مدرسوں میں شمار ہوتا تھا ۔ جہاں عبدالرحیم خان خاناں کے بیٹے میرزا ایرج نے تعلیم پائی ۔ شاہ فتح اللہ شیرازی جس کو اکبر نے عضدالملک کا خطاب دیا تھا بقول شاہ سلیمان ، درس نظامی کے بانی تھے ۔ گجرات علوم اسلامی کا بڑا مرکز تھا - ۱۵۷۳ء میں اکبر نے جب گجرات فتح کیا تو ہندوستان کے مسلمان گجرات کی بندرگاہوں کے راستے سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جا کر علم حاصل کرنے لگے ۔ واپسی پر وہ علماء بے شمار عربی کتابیں اپنے ہمراہ لاتے تھے جو درسی کتب خانوں کی زینت بنتیں ۔ ان میں سے بعض کے فارسی میں تراجم بھی ہوئے۔

جیسوٹ مشن (Jessuit-Mission) نے اکبر کے عہد میں ایک مدرسہ لاہور میں ۱۵۹۱ء میں قائم کیا ۔ اس مدرسہ میں عموماً امراء کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ اکبر کا ایک بیٹا اور ایک پوتا بھی اسی مدرسہ میں پڑھتے رہے ۔ اس مدرسہ میں یورپی علوم اور خاص طور پر پرتگیزی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس مدرسہ کے کتب خانہ میں فارسی کتب کے علاوہ یورپی مصنفین کی کتابیں بھی تھیں، مگر ان کتابوں کی تفصیل اس دور کے فارسی مؤرخین نے نہیں لکھی ۔ حلب کے ایک عیسائی سکندر نے اپنی کچھ جائیداد اور چھ سو روپے نقد اس مشن کو دیے جس سے عہد جہانگیری میں ۱۶۱۲ء میں بارہ بیگھے زمین خریدی گئی ۔ اس جگہ پر آجکل کیتھڈرل سکول اور ملحقہ گرجا ہے جو وکٹری (سابق ریگل) سینما شاہراہ قائداعظم کے بالمقابل واقع ہے ۔[۳۸]

درسی کتب خانے

اکبر کے عہد میں لاہور میں کافی تعداد میں نئے مدارس قائم ہوئے جن کے ساتھ درسی کتب خانے تھے ۔ لاہور میں نئے مدارس کھولنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اکبر متواتر چودہ سال تک یعنی ۱۵۸۴ء سے ۱۵۹۸ء تک یہاں رہا ۔ نتیجۃً بے شمار علماء و فضلاء ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آ کر لاہور میں قیام پذیر ہوئے اور درس و تدریس کے کام میں لگ گئے ۔ چنانچہ عہد اکبری میں لاہور کے مشہور مدرسوں میں مدرسہ شیخ منور ، مدرسہ ملا علاءالدین لاہوری ، مدرسہ سید اسماعیل گیلانی ، مدرسہ مولانا عبدالشکور ، مدرسہ ملا ہادی محمد اور مدرسہ شاہ بلاول کے نام آتے ہیں ۔[۳۹] ان مدرسوں میں زیادہ تر دینی تعلیم دی جاتی تھی ۔ چنانچہ یہ کتب خانے علوم دینیہ کی کتب سے معمور تھے ۔

کتب خانہ فیضی

یہ عجیب بات ہے کہ عہد مغلیہ میں پبلک لائبریریاں نہ تھیں میں جیسا کہ برطانوی ہند اور پاکستان میں قائم ہیں ۔ تاہم جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ امراء اور علم دوست احباب کے ذاتی کتب خانے تھے جن سے عوام تو نہیں البتہ اہل کتب خانہ کے ذاتی دوست ضرور فائدہ اٹھاتے تھے ۔ انہیں کتب خانوں میں ایک کتب خانہ فیضی بھی تھا ۔ شیخ فیضی اکبر کا ملک الشعراء اور نو رتن تھا ۔ اس نے ایک سو سے زائد کتابیں لکھیں ۔ اس کے ذاتی کتب خانہ میں ۴۶۰۰ کتابیں تھیں جن میں سے چند ایک نفاست اور خطاطی کے عمدہ نمونے تھے ۔ ان میں سے زیادہ تر نسخوں پر خود مصنفین نے دستخط کیے ہوئے تھے یا وہ نسخے تھے جن کی کتابت مصنفین کے عہد میں ہوئی تھی ۔ فیضی کے والد شیخ مبارک ناگوری نے ۵۰۰ کتابیں نقل کی تھیں ۔ اکبر کو کتابیں اکٹھی کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا ۔ وہ کسی امیر کی وفات پر اس کا کتب خانہ اس کے وارثوں سے خرید کر شاہی کتب خانہ میں شامل کر دیتا تھا ۔ یہی برتاؤ اس نے کتب خانہ فیضی کے ساتھ کیا ۔ فیضی کی وفات پر اس کے کتب خانہ کی سب کتابوں کو شاہی کتب خانہ میں منتقل کر دیا گیا ۔ ان کتابوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ۔ پہلے حصہ میں شاعری ، طب ، علم نجوم اور موسیقی کی کتابیں تھیں ۔ دوسرا حصہ فلسفہ ، تصوف ، علم فلکیات ، ہیئت اور علم ہندسہ کی کتابوں پر مشتمل تھا ۔[40] تیسرے حصہ میں تفسیر ، حدیث ، دینیات ، فقہ اور اسلامی قانون کی کتابیں تھیں ۔

کتب خانہ ابوالفضل

ابو الفضل شیخ فیضی کا چھوٹا بھائی تھا ۔ اس نے ۱۵ سال کی عمر میں ہی تمام علوم و فنون کی تعلیم حاصل کر لی تھی ۔ چنانچہ اس نے ۱۷ سال کی عمر میں ہی آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھ کر اکبر کی خدمت میں پیش کی ۔ اکبر کے دور میں وہ وزارت عظمیٰ پر مامور ہوا ۔ وہ ایک بے مثال ادیب ، مترجم اور شاعر تھا ۔ مغلیہ دور میں دو ہی اہل قلم و دانش کو علامی کہا جاتا ہے۔ ایک ابو الفضل کو اور دوسرے شاہ جہان کے وزیراعظم سعد اللہ کو ۔ ابو الفضل کے مکتوبات تمام مدارس میں پڑھائے جاتے تھے ۔ اس کا کتب خانہ عظیم تھا جس میں مختلف زبانوں میں لکھی ہوئی کتب موجود تھیں ۔ آئین اکبری اور اکبر نامہ کے علاوہ اس نے انشائے ابو الفضل ، کشکول اور جامع اللغات بھی لکھیں ۔ ان کی ایک ایک نقل کتب خانہ اکبری میں موجود تھی ۔ مآثرالامراء میں لکھا ہے

کہ ایک روز شہزادہ سلیم ابو الفضل کے گھر گیا تو دیکھا کہ چالیس کاتب کلام الٰہی اور تفسیر کی نقول تیار کر رہے ہیں۔ ابو الفضل نے خود بھی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا جو شاہی کتب خانہ کی زینت بنیں۔[۴۱]

کتب خانہ عبدالرحیم خان خاناں

عبدالرحیم خان خاناں نے جہاں بطور ایک سپہ سالار اپنا سکہ منوایا وہاں علم و ادب کی بھی بڑی خدمت کی۔ وہ ایک مربی علم اور شاعر تھا۔ اس نے اپنے فارسی کلام کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا۔ اس نے اپنے علمی ذوق کی خاطر ایک نہایت ہی اعلیٰ پایہ کا کتب خانہ قائم کیا جسے بیت العلماء کہا جاتا تھا۔ اس کتب خانہ میں اس دور کے شعراء نے اپنے دیوان خود لکھ کر داخل کیے تھے۔ یہ کتب خانہ ایک اکیڈیمی سے کم نہ تھا۔ دربار اکبری کے اکثر اہل قلم اسی دارالحکمت کے فیض یافتہ تھے۔ کتب خانہ عبدالرحیم خان خاناں کے کئی لائبریرین تھے۔ ان میں سے ایک ملا محمد امین کاشانی تھا جو ایک جید عالم تھا۔ اس کی تنخواہ چار ہزار روپے سالانہ تھی۔ یعنی ۳۳۳/۳۳ روپے ماہوار۔ اگر عہد اکبری میں ضروریات زندگی کی قیمتوں کا آج کل کے زمانہ میں موازنہ کیا جائے تو اس لحاظ سے اکبر کے دور میں ایک لائبریرین کی تنخواہ بڑی معقول نظر آتی ہے۔ ۱۵۹۵ء کے بعد اس کتب خانہ کا لائبریرین مخزن افغانی کا مصنف نعمت اللہ مقرر ہوا۔ شیخ عبدالسلام اور شجاع جیسے اہل قلم بھی اس کتب خانہ کے نگران رہے۔[۴۲]

عبدالباقی نہاوندی کی مآثر رحیمی کی جلد سوم عبدالرحیم خان خاناں سے منسلک ان تمام شعراء، علماء، فضلاء اور خوش نویسوں کے ناموں سے بھری پڑی ہے جو خان خاناں کی ملازمت میں تھے۔ ان میں سے چند ایک شعراء کے نام یہ ہیں: شکیبی، نظیری نیشاپوری، عرفی شیرازی، ثنائی خراسانی، محتشم کاشی، جمال الدین ملہی، نوعی خراسانی، مولانا کامل، بقائی، کفوی، غنی اصفہانی، میر ابو تراب رضوی، حکیم مشہدی، معزی اور ندیم گیلانی وغیرہ۔ خان خاناں کی علم پروری کا یہ عالم تھا کہ ایک بار اس نے نوعی شیرازی کو سونے میں تلوا دیا۔ اسی طرح ایک بار اس نے ایک ہندی شاعر گنگ کوی کو چھتیس ہزار روپے انعام میں دیے۔[۴۳]

کتب خانۂ عبدالرحیم خان خاناں میں بہت سے خطاط اور خوش نویس ملازم تھے۔ خان خاناں کے دونوں بیٹے اعلیٰ پایہ کے خطاط تھے۔ مآثر رحیمی میں تو

اس کتب خانہ کے خطاطوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہوئی ہے ، مگر یہاں چند ایک کے نام دیے جاتے ہیں : میرزا شکر اللہ شیرازی ، میرزا فتح اللہ شیرازی ، سلطان بایزید دوری ، علی یزدی ، عبدالباقی نہاوندی ، ملا عبدالرحیم عنبرین قلم ، عبدالصمد شیرین قلم ، قاسم ارسلان مشہدی ، محمد شریف ، احمد غفاری ، عبدالرشید دیلمی ، عنایت اللہ شیرازی ، ارادت خان اور علی تبریزی جواہر قلم ۔ مؤخرالذکر نے خط کوفی اور خط نسخ کے امتزاج سے ایک نیا خط ایجاد کیا ۔[۴۴]

خان خانان کو بھی کتابیں مصور کروانے کا شوق تھا ۔ شعبۂ تصویر کشی اس کے کتب خانہ کا ایک حصہ تھا ۔ اس کے کتب خانہ کے شعبۂ تصویر کشی میں مادھو ، رائے منوہر لال ، وسونت کہار ، بساون اور ہری ہنس نامور مصور تھے جو چیدہ چیدہ کتابوں کو مصور کرتے تھے ۔

کتب خانہ حکیم ابو الفتح گیلانی

حکیم ابو الفتح گیلانی اکبر کا ایک امیر تھا جسے علم و ادب سے شغف تھا ۔ وہ طب کے علاوہ درس و تدریس کا کام بھی کرتا تھا ۔ وہ عموماً امراء کے بچوں کو تعلیم دیتا تھا ۔ اس نے اپنا ایک ذاتی کتب خانہ قائم کیا جس کو کتب خانۂ حکیم ابو الفتح گیلانی کہا جاتا تھا ، جس میں مختلف مضامین کی بے شمار کتب تھیں ۔ بقول مولانا شبلی حکیم گیلانی نے شاعری کی ایک اکیڈیمی قائم کر رکھی تھی ۔ مآثر رحیمی کے بیان کے مطابق اکثر شعراء خصوصاً خواجہ حسین ثنائی خراسانی ، مرزا قلی میلی ، فیضی اور عرفی شیرازی ، مرزا نورالدین محمد قراری وغیرہ نے حکیم گیلانی کے ہاں ہی تربیت پائی ۔ حکیم ابو الفتح نے چند ایک کتابیں بھی تصنیف کیں ۔ فلسفہ و حکمت میں فتاحی اور قیاسیہ اور انشاء میں چار باغ اس کی تالیف بیان کی جاتی ہیں ۔[۴۵]

مندرجہ بالا امراء کے ذاتی کتب خانوں کے علاوہ اور بھی کئی امراء اور اہل علم کے ذاتی کتب خانہ تھے مگر ان کی تفصیل کتابوں میں نہیں ملتی ۔ عوام امراء کے ذاتی کتب خانوں سے استفادہ نہ کر سکتے تھے ۔ وہ مکتب یا مساجد سے منسلک کتب خانوں سے اپنی علمی پیاس بجھا لیتے تھے ۔

حوالہ جات

۱- صباح الدین عبدالرحمان ، بزم تیموریہ ، اعظم گڑھ ، مطبع معارف - ۱۹۴۸ء ،
ص ص ۵۴ - ۵۶ :

Abul Fazl, *Ain-i-Akbari*, Vol. I trans. by N. Blochmann,
Calcutta Asiatic Society of Bengal, 1939, p. 110

۲- بزم تیموریہ ، ص ۵۶ - ۵۸

۳- Abdul Aziz, The *Imperial Library of the Mughuls*, Lahore, University of the Punjab, 1967, pp. 43-44

۴- بزم تیموریہ ص ۵۷

۵- V. A. Smith, *Akbar the Great Mogul*, Delhi, S. Chand and Co. 1962, pp. 307-08; Abdul Ghani, *A History of Persian Language and Literature*, Vol. III, Allahabad, 1930, pp. 11-12; Ain-i-Akbari, i, p. 110 Smith, *Akbar*, p. 308.

۶- بزم تیموریہ ، ص ۱۲۴

Imperial Library of the Mughuls, pp. 57 - 58.

۷- Riazul Islam, Indo-Persian Relations, Lahore Iranian cultural Foundation, 1970, p. 167; بزم تیموریہ ، ص ۱۲۴

۸- سعید احمد رفیق ، 'شاہان مغلیہ کا شاہی کتب خانہ' الزبیر ، کتب خانہ نمبر (۱۱) بہاولپور ، اردو اکیڈیمی ، ۱۹۶۷ء ، ص ۵۷ ، بزم تیموریہ ،
ص ۵۷

Ain-i-Akbari, i, pp. 109—110

۹- N.N. Law, *Promotion of Learning in India during Muhammadan Rule*; Calcutta, Longmans Green and Co; 1916, p. 152

بزم تیموریہ ، ص ۱۲۴ ؛ محمد فاضل خان ، کتب خانوں کی تاریخ ، ملتان ،
بیکن بکس ، ۱۹۸۸ء ، ص ۲۱۳

Abul Fazl, *Akbar Namah*; Vol. III, trans. by H. Beveridge, Calcutta, Asiatic Society of Bengal, 1900, p. 1159 -۱۰

بزم تیموریہ ، ص ۱۲۳

Nizamud Din Ahmad, *Tabaqat-i-Akbari*, trans. by Elliot and Dowson, 'The History of India as told by its own Historians, vol. V, Delhi, Kitab Mahal, 1964, pp. 544—49, *Imperial Library of the Mughuls*, p. 57; -۱۱

شاہان مغلیہ کا شاہی کتب خانہ ، ص ۵۸؛ کتب خانوں کی تاریخ ، ص ۲۱۵

۱۲- عبدالقادر بدایونی ، منتخب التواریخ ، مترجم ، محمود احمد فاروقی ، لاہور ۔ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۶۲، ص‌ص ۵۳۱، ۷۲۱ ؛ بزم تیموریہ ، ص ۱۱۳ ؛ شاہان مغلیہ کا شاہی کتب خانہ ، ص ۵۷

Imperial Library of the Mughuls, p. 59.

Imperial Library of the Mughuls, pp. 15—17; -۱۳

بزم تیموریہ ، ص ۱۲۶

۱۴- منتخب التواریخ ، ص ۶۹

۱۵- بزم تیموریہ ، ص ۱۲۵

۱۶- ایضاً ، ص ۱۲۶

Ain-i-Akbari, i, pp. 107—09; 423; *Imperial Library of the Mughuls*, p. 21; -۱۷

بزم تیموریہ ، ص ۱۲۵ — ۱۲۶

۱۸- بزم تیموریہ ، ص ۱۲۵ ؛ *Ain-i-Akbari*, i, p. 114;

Imperial Library of the Mughuls, p. 29 -۱۹

۲۰- بزم تیموریہ ، ص ۱۲۵

Percy Brown, *Indian Paintings Under the Mughals*, New York, Hacker, 1974, pp. 53—63; V. A. Smith, *History of Fine Arts in India and Ceylone*, Oxford, Clarendon Press, 1911, pp. 454—60; *Imperial Library of the Mughuls*, pp. 28—30;

۲۱- بزم تیموریہ ، ص ۶۲ - ۶۳

۲۲- *Imperial Library of the Mughuls*, p. 22; *Ain-i-Akbari*, i, pp. 114 554—55, 582—83;

بزم تیموریہ ، ص ۱۲۵

۲۳- Yar Muhammad Khan, *Iranian Influence in Mughul India*, Lahore, Panjab University Press, 1978, p. 42; Smith, *Akbar*. pp. 312—13;

۲۴- *Ain-i-Akbai*, i, p. 114; *Imperial Library of the Mughuls*, pp. 35—36;

بزم تیموریہ ، ص ۱۲۵

۲۵- بزم تیموریہ ، ص ۶۲ - ۶۶ ، شاہان مغلیہ کا شاہی کتب خانہ، ص ۵۸ ،
Imperial Library of the Mughuls, pp. 46—47.

۲۶- بزم تیموریہ ، ص ۶۶

۲۷- ایضاً ، ص ۸۳ ; *Imperial Library of the Mughuls*, p. 50;

۲۸- شاہان مغلیہ کا شاہی کتب خانہ، ص ۵۸ ، بزم تیموریہ ، ص ۶۹ - ۸۰ ؛
Imperial Library of the Mughuls, pp. 44—45

۲۹- مولانا شبلی نعانی ، شعر العجم ، جلد سوم - لکھنؤ ، ص ۶۷ ، بزم تیموریہ ، ص ۷۳ - ۷۴

Charles Rieu(comp.), *Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum*, Vol. III

The Trustees of the British Museum, 1966, p. 1150; *Iranian Influence in Mughul India*, pp. 18—19; *Imperial Library of the Mughuls*, p. 45

۳۰- بزم تیموریہ ، ص ۷۲

Imperial Library of the Mu_huls, p. 48

۳۱- Ain-i-Akbari, i, pp. 549—50:

بزم تیموریہ ، ص ۶۶ - ۹۲

۳۲- بزم تیموریہ ، ص ۹۲ - ۹۳